قرآنی انقلاب کے مراکز

مولانا محمد صدیق احمد

قرآن حکیم کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے، جو بدقسمتی سے گزشتہ صدیوں میں اکثر نظروں سے اوجھل رہی کہ تمام انبیائے کرام اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم کو دعوتِ انقلاب دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جن انبیاء کی دعوتوں کا ذکر ہے، اگر ان کے فکری وعملی متضمنات پر غور کیا جائے تو ان کی تعلیم کی انقلاب آفرینی واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انبیاء کی ان دعوتوں کے ذیل، جن کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر انبیاء کی انقلابی دعوت صرف اپنے قومی معاشرے تک محدود رہی بے شک ان میں سے بعض ایسے انبیاءؑ بھی ہیں، جن کی دعوت بین الاقوامی تھی۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے ہیں۔ تاریخ انسانیت میں ان کی دعوت حنیفیت بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ آج دنیا کے جو تین بڑے مذاہب ہیں، اسلام، عیسائیت، اور یہودیت، یہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ سیدنا ابراہیمؑ نے اپنی دعوت کے دو مرکز قائم کئے تھے۔

۱۔ ارض فلسطین، جس میں مشہور شہر القدس ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند سیدنا اسحاقؑ تھے۔

۲۔ سرزمین حجاز، جہاں سیدنا اسمٰعیلؑ آباد ہوئے۔ اور اسے اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔

القدس کے مرکز کے خادم اور کارپرداز بنی اسرائیل کہلائے۔ جو سیدنا اسحاقؑ کے صاحبزادے سیّدنا یعقوبؑ کی طرف منسوب ہیں۔ اگرچہ بنی اسرائیل نے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت حنیفی کو اپنایا، لیکن انھوں نے اسے صرف اپنی نسل تک اس طرح محدود کر دیا کہ یہ بین الاقوامی اور انسانیت گیر دعوت نہ بنی اسرائیل کی قبائلی اور نسلی دعوت بن کر رہ گئی گو قدرت نے اس دعوت کو عمومی بنانے کا سامان بھی کیا۔ اور بنی اسرائیل ارض فلسطین سے نکل کر دور دور کے ملکوں میں منتشر ہونے پر مجبور ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے غیر بنی اسرائیل کو اس دعوت میں شریک نہ کیا۔ آخر کار حکمت الٰہی نے عین اس وقت جب کہ تاریخ میں مختلف قوموں کے باہم قریب ہونے کے اسباب پیدا ہو رہے تھے، دعوت حنیفیت کی ذمہ داری بنی اسمٰعیل پر ڈالی، اور اسلام اس کا ترجمان و داعی بنا۔

بنو اسمعیل کا سب سے بڑا مرکز مکہ مکرمہ تھا، جو وادی غیر ذی زرع تھا۔ یہاں کے رہنے والوں کو کسب معاش کے لئے تجارت کے سلسلہ میں ادھر ادھر کے سفر کرنے پڑتے تھے، جس کی وجہ سے وہ "قید مقامیت" سے بہت حد تک آزاد تھے۔ جب حکمت الٰہی نے مکہ مکرمہ میں آباد قریش کو دعوت حنیفیت کی خدمت کے لئے منتخب کیا، تو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک جلیل القدر نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے۔ دعوت حنیفیت کے اس دور میں جس کا آغاز آپؐ کی زیر ہدایت ہوا، قریش جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اس دعوت کے پہلے کارپرداز بنے، اور اس دعوت کو انھوں نے آگے بڑھایا۔ شروع شروع میں یہ انقلابی جماعت عدم تشدد پر عامل رہی، اور اس کے ہاں قتل و قتال ممنوع قرار پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے فیضان سے اس جماعت کا ایک ایک فرد ایمان و یقین اور ثبات و استقامت کا گویا ایک پہاڑ تھا۔ جسے مخالفین کی تمام سختیاں اور ایذائیں اپنی جگہ سے سرمو نہ ہٹا سکیں۔ اور وہ اسلام لانے کے بعد اس دعوت کی انقلابیت اور فعّالیت کا پیکر بن گیا۔ اس دور میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ مکرمہ میں جو "ریاست" (STATE) بروئے کار تھی، اسے امام ولی اللہؒ نے خلافت باطنہ کا نام دیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے اپنا جماعتی نظام اندرونی لحاظ سے اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ جب وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ

پہنچے اور وہاں انہیں خلافت ظاہرہ کا نظام حکومت قائم کرنا پڑا، تو اس میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اور وہ اس میں کامیاب رہے۔ یہ دعوت اس دور میں بھی جب کہ وہ مکہ، مدینہ اور اس کی آس پاس کی بستیوں تک محدود تھی اپنے اندر بین الاقوامی رنگ لئے ہوئے تھی۔ چنانچہ جہاں اس میں قریش انصار اور دوسرے عرب قبائل کے افراد شامل ہوئے، وہاں اس کی صفوں میں ہم بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی اور دوسرے غیر عرب افراد نمایاں دیکھتے ہیں۔ اور ان میں سے مثال کے طور پر حضرت بلال حبشیؓ کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب سیدنا بلال کہہ کر پکارتے تھے۔

مکہ مکرمہ قرآنی انقلاب کا پہلا مرکز تھا۔ تیرہ سال کی تگ و دو کے دوران اس مرکز میں ایک انقلابی جماعت تیار ہوتی ہے، اور وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچتی ہے اور اسے اپنا مرکز بناتی ہے۔ یہاں خلافت ظاہرہ کی تاسیس ہوتی ہے۔ اور اس جماعت کو اپنے تحفظ و بقا کے لئے قتل و قتال کی اجازت ملتی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک مخالفین سے جنگیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ سارا عرب اسی انقلابی جماعت کا مطیع ہو گیا۔ اور جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور "نصر اللہ" اور "فتح" آ گئی، یہ حنیفیت کی کامیابی و کامرانی کی پہلی منزل تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک جزیرہ عرب کا غالب حصہ تحریک حنیفیت کے تابع ہو چکا تھا۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے خلیفہ ہوئے انہوں نے ایک طرف عرب کی ان رجعت پسند طاقتوں کو ختم کیا۔ جو بین الاقوامی اور انسانیت گیر حنیفیت کے خلاف عرب قبائلیت کی علمبردار تھیں۔ جس کا کہ ایک نمائندہ قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار مسیلمہ تھا۔ جس کے پیرو یہ کہتے تھے کہ بے شک محمد اللہ کے نبی ہیں، لیکن قریش کے سچے نبی سے اپنے قبیلے کا جھوٹا نبی بہتر ہے۔ اور دوسری طرف انہوں نے اس دعوت کو جزیرہ عرب کے باہر مشرق و مغرب میں پھیلایا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو اس جماعت کی قیادت سپرد ہوئی۔ اور اس زمانے میں ادھر خراسان سے لے کر ادھر الجزائر تک اس تحریک کا بول بالا ہو گیا۔ اور یہ ساری زمین اسلام کی مطیع و منقاد ہو گئی اب اس انقلابی جماعت میں افتراق پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا عموماً ہوا ہی کرتا ہے۔ ایک فریق کا مرکز مشرق میں

کوفہ تھا، اور دوسرے فریق کا مرکز مغرب میں دمشق دونوں میں جنگ ہوئی اور آخر میں انقلابی تحریک کا مرکز دمشق قرار پایا۔ اور اس کی وجہ سے اسلام کو شمالی افریقہ اور شمالی افریقہ سے اسپین میں پھیلنے کا موقع ملا۔ دمشق قرآن کی انقلابی تحریک کا تیسرا مرکز تھا۔ اب جہاں اس انقلابی جماعت میں اس کے پہلے مرکز میں "شورائیت نظام" بروئے کار تھا۔ وہاں اس نے اپنے دوسرے مرکز یعنی مدینہ منورہ میں خلافت کے جمہوری نظام کو اپنایا لیکن دمشق میں یہ جماعت ایک لحاظ سے قومی رنگ اختیار کر لیتی اور بنو امیہ کی قومی بادشاہت وجود میں آجاتی ہے لیکن یہ بادشاہت اس زمانے کی بادشاہتوں کی طرح مطلق العنان نہ تھی، بلکہ خلفائے دمشق کو قرآن کے قانون کی متابعت کرنا پڑتی تھی، لیکن جب بعد میں یہ بادشاہت مسلمان عوام سے دور ہو گئی تو اس کے خلاف عوام کی مدد سے بنو عباس نے خروج کیا۔ اور اس تحریک کی عنان اقتدار ان کے ہاتھ میں آگئی اور دمشق کی جگہ بغداد اس تحریک کا مرکز بنا۔

بغداد میں بنو عباس کئی صدیوں تک برسر اقتدار رہے۔ اس عرصے میں بڑی کثرت سے غیر عرب اقوام اسلام میں داخل ہوئیں۔ اور یہ تحریک جس کا جزیرہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ سے آغاز ہوا تھا۔ فعلاً ایک بین الاقوامی تحریک بن گئی۔ اس میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کی مختلف قومیں شامل ہو گئیں اور ان سب کی کوششوں سے ایک عظیم الشان عالمگیر اسلامی ثقافت وجود میں آئی جس کی شعاعیں ظلمت زار یورپ میں پہنچیں اور وہاں بعد میں نشاۃ ثانیہ کی بنیاد پڑی۔ ان غیر عرب مسلمان قوموں نے اپنی اپنی حکومتیں بنائیں اور دنیائے اسلام کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ان حکومتوں کا جال بچھ گیا۔ ۱۲۵۸ھ میں بغداد کا علمی و ثقافتی مرکز منگولوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گیا اور اس کا ایک حصہ جس کی زبان فارسی تھی، وہ بخارا اور غزنی کے راستے لاہور اور دہلی پہنچا، اور دوسرے حصے کا مرکز جس کی زبان عربی تھی، قاہرہ بنا۔

لاہور اور دہلی کے مرکز سے اسلام برصغیر میں ایک فرمانروا سیاسی طاقت کی حیثیت سے آگے بڑھتا ہے۔ التمش سے لے کر جلال الدین خلجی تک سارے کا سارا شمالی ہند اس کے تابع آجاتا ہے علاؤالدین خلجی کے عہد میں دکن تسخیر ہوتا ہے۔ پھر بہار و بنگال کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اس دور میں بہت سے اولیائے کرام نے اس تحریک کو اسلامی رنگ دینے کی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ غزنویوں کے عہد میں مثال کے طور سے داتا گنج بخش، غوریوں کے عہد میں حضرت معین الدین چشتی خلجیوں اور تغلقوں کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیاء اسی طرح لودھیوں کے عہد میں دوسرے بزرگوں نے اسلام کے عدل و مساوات کی شمع کو جلائے رکھا۔ اور سیاسی طاقت کو حتی الوسع اسلامی ضابطوں کا پابند رکھنے کی کوشش کی۔ مغلوں کا دور آیا تو اکبر نے ہندوستان کی تمام قوموں کو "دین الٰہی" کے سررشتے میں باندھ کر ایک ملکی وحدت بنانی چاہی، لیکن وہ اس میں ناکام ہوا۔ اس کے پرپوتے عالمگیر نے اس مرکزیت کو اسلامی بنانے کی کوشش کی، لیکن جن قومی عناصر سے یہ مرکزیت عبارت تھی وہ کھو کھلے ہو چکے تھے۔ اسی دوران میں یورپ سے ایک نئی طاقت برصغیر میں داخل ہوتی ہے۔ اور وہ اس پر قابض ہو جاتی ہے۔ بے شک یہ نئی طاقت امپیریلزم کی حامل تھی۔ اور غیر یورپی اقوام کو کمتر اور ذلیل سمجھتی تھی، اور ان کا معاشی استحصال اس کا مقصود و نصب العین تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ چونکہ اس طاقت کو قومیت، قوم پرستی اور جمہوریت کے تصورات نے جنم دیا تھا۔ اس لئے جہاں بھی وہ جاتی تھی، اس کے برسر اقتدار آنے کے نتیجے میں وہاں ان تصورات کو جنم لینے اور نشوونما پانے کے مواقع ملتے تھے۔

یورپ کی یہ طاقت اب ایشیا اور افریقہ کے براعظموں سے دست کش ہونے پر مجبور ہو گئی ہے چنانچہ اس کے بجائے ہر جگہ قومی و جمہوری نظام برسر کار آنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، لیکن جہاں یورپ کا سیاسی استیلاء ختم ہوا ہے، وہاں اس کا معاشی استیلاء اب بھی برقرار ہے، اور جب تک یہ نہیں ٹوٹتا، وہ براہیمی دعوت جو حنیفیت اور ہمہ گیر انسانیت و صحیح بین الاقوامیت کے اصولوں پر مشتمل ہے، اور مذکورہ بالا ادوار سے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، گزر چکی ہے۔ عملی جامہ نہیں پہن سکتی۔

اس عہد آخر میں اس دعوت کے پیغامبر اور نقیب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

تھے جنہوں نے عین اس وقت اپنی آواز بلند کی تھی، جب یورپ کی یہ طاقت اس سرزمین میں قدم جما رہی تھی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ "عظموت" کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور "جبروت" سے مشابہ ہیں۔ اور آپؐ کی ذات اقدس حامل ہے بہت سی لطافتوں کی۔ اور یہ لطافتیں ایک تو خود آپؐ کے ذاتی کمالات میں سے ہیں، اور دوسرے جو مختلف استعدادوں کے لوگ آپؐ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو ان کی ان استعدادوں کے اعتبار سے بھی آپ میں یہ لطافتیں موجود ہیں۔ چنانچہ اس مجلس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنی اجمالی مدد سے سرفراز فرمایا۔ اور یہ اجمالی مدد عبارت تھی مقام مجددیت، وصایت اور قطبیتِ ارشادیہ سے۔ یعنی آپؐ نے مجھے ان مناصب سے نوازا نیز مجھے شرف قبولیت عطا فرمایا اور امامت بخشی۔ اور تصوف میں میرا جو مسلک ہے اور فقہ میں میرا جو مذہب ہے، ہر دو کو اصل اور فرع دونوں اعتبار سے راہ راست پر بنایا، لیکن یہ سب کے لئے نہیں بلکہ صرف مخصوص لوگوں کے لئے جن کی فطرت میں تحقیق کا مادہ ہے، لیکن اس میں بھی شرط یہ رکھی کہ اس مسلکِ تصوف اور مذہب فقہی کا اتباع باہمی اختلاف اور آپس کی لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے چنانچہ جو شخص بھی فقہ میں اصل اور فرع کے لحاظ سے اور تصوف میں سلوک کے اعتبار سے ہمارے مذہب فقہی اور مسلک تصوف کو اختیار کرے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سلسلے میں مندرجہ بالا نکتہ پر اپنی نگاہ رکھے۔

"فیوض الحرمین"